یورپ کے پابند مذہب مسیحیوں کا ہی خاصہ نہیں بلکہ ان کے مادہ پرست اور دہریہ ان سے بھی بڑھ کر جوشِ تعصب کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور اپنی اس عصبیت کو طاقتور بنانے میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے ـــــ کاش وہ اس تعصب میں دائرہ اعتدال سے باہر قدم نہ رکھتے لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بے حد حدود اعتدال سے متجاوز اور غلو میں کوشاں نظر آتے ہیں ـــــ!

اہل یورپ کا دینی تعصب میں اس قدر متشدد ہونا اور اسے زندگی کے ہر پہلو ہر موڑ پر ملحوظ خاطر رکھنا نہایت تعجب خیز ہے۔ تم دیکھو گے کہ ان میں کا ایک شخص جو حریتِ فکر کا سرتاج اور آزاد خیال لوگوں میں رئیس الاحرار مانا جاتا ہو۔ تم اس کے کلام میں ایک ایسا فقرہ بھی نہیں پاؤ گے کہ جس میں پطرسؓ راہب کی روح نہ موجود ہو۔ بلکہ غور کرنے سے تمہیں معلوم ہوگا کہ بعینہٖ راہب مذکور کی روح بول رہی ہے۔ اگر تمہیں اس میں شک ہے تو مرف مسٹر گلیڈ سٹون اور اس کے ہم مشرب لوگوں کی سیاسی تقریروں کے مطالعہ سے یہ شک بآسانی رفع کیا جا سکتا ہے ـــــ!

حرفِ آخر مسلمانو! مذہبی عصبیت تمہاری زندگی ہے۔ اس کی حفاظت کرو۔ تمہارا خون ہے اسے رائیگاں نہ جانے دو۔ تمہاری روح ہے اسے ہلاکت سے بچاؤ۔ تمہاری سعادت ہے اسے موت سے کم قیمت پر نہ بیچو۔ تمہارے شیرازہ قومیت کے استحکام کا راز اسی رابطۂ دینی میں مضمر ہے۔ یہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ اغیار کی دجل آمیز نصیحتوں اور ان کی ملمع صفت تقریروں پر کہیں دھوکہ فریب نہ کھا جانا۔ وہم کے پردے اٹھا کر فہم و بصیرت سے کام لو۔ اور رابطۂ دینی کی اہمیت کو محسوس کرو۔ جو تمام روابط سے مستحکم ترین رشتۂ مواصلت ہے۔ جس کے ذریعہ ترکوں کو عربوں، ایرانیوں کو ہندوستانیوں، اہل مغرب کو اہل مصر کے ساتھ متحد بنایا جا سکتا ہے پھر نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسجد اقصےٰ کے بعید ترین مقام پر رہنے والے مسلمان پر اگر کوئی تکلیف نازل ہوتی ہے تو دوسرا مسلمان جو مغرب اقصیٰ میں رہتا ہے اپنے بھائی کے اس درد کو ایک جسم، جان اور روح کی طرح محسوس کرے گا اور ہر ممکن طریق سے اس کی نصرت و اعانت میں جہد بلیغ کرنا اپنا فرض سمجھے گا ـــــ!

ط

بے شک اللہ تبارک وتعالےٰ نے تمہیں جس رشتہ میں مربوط کیا ہے۔ یہ رشتہ ملک، زبان اور نسب کے تمام رشتوں سے بڑھ کر ہے۔ اس کی پورے طور سے حفاظت و صیانت کرو اس میں تمہاری سیادت، سعادت اور نیک نامی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اعتدال کو ہر حالت میں ملحوظ رکھو اور عدل و انصاف کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ دنیا کا نظام عدل و اعتدال پر ہی قائم ہے۔ جو قومیں عدل و اعتدال کے اصولوں پر کاربند نہیں رہتیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اس کے اوامر کا التزام اور اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح محسوس کرو۔ دوسروں کے ادائیگی حقوق میں ذرا تامل نہ کرو۔ اپنے اور اپنے پڑوسی ملکوں کے مختلف المذاہب لوگوں سے ہمیشہ اچھا برتاؤ کرو۔ اور یقین رکھو کہ تمہارے مصالح و اغراض ان کے ساتھ اور ان کے تمہارے ساتھ وابستہ ہیں۔ تعصب دینی کو کبھی جور و ستم، ظلم و تعدی دست درازی اور دوسروں کی حق تلفی کا ذریعہ نہ بناؤ کیونکہ تمہارا دین، مذہب، کلچر، تمدن اور روایات اس سے سختی سے روکتے ہیں۔ اور اہل ذمہ سے مراعات کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور اگر تم اپنے دین و مذہب کی مخالفت کے درپے ہوئے تو اس میں شک نہیں، کہ اللہ تبارک وتعالےٰ کا عذاب سخت ترین ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ تعصب دینی کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ایک دوسرے سے صرف زبانی اظہار[1] ہمدردی پر اکتفا کرو۔ نہیں بلکہ تمہارا فرض ہے کہ اپنے بھائیوں کی اعانت و نصرت کے لئے تمام تر جائز وسائل کو استعمال میں لاؤ۔ اور دوسری اقوام کے مقابلہ میں اپنی قوم کی برتری و سربلندی، اس کی قوت و سطوت، عزت و شوکت اور غلبہ و تفوق کو قائم رکھنے کے لئے اپنی جان اور مال خرچ کرنے سے کبھی دریغ نہ کرو۔ علوم و فنون کے اکتساب اور دیگر فضائل و کمالاتِ انسانی کی تحصیل کی خاطر اپنی تمام تر طاقتیں صرف کر ڈالو۔ لیکن یاد رکھو تمہارے اس جوش عصبیت میں صرف اعلاء کلمۃ الحق کا جذبہ کارفرما ہو۔ اور ہر بھائی اپنے اس بھائی کو جو قعر مذلت میں گرا ہوا ہے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بام رفعت میں پہنچا دینے کی پوری پوری کوشش کرلے۔ ہمارا فرض ہے کہ: قومی اور جماعتی انتظام کو مستحکم بنانے کے لئے اللہ تبارک وتعالےٰ کے اس زریں قول کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پیش نظر رکھیں ——— تعاونوا علی البر والتقوےٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

---

[1] جس طرح پاکستان کا برسر اقتدار طبقہ کر رہا ہے کہ سویز کے قضیے میں انگریزوں کی عیسائی حکومت کو بچانے کے لئے کبھی عراق

آغاخانی فرقہ

اسماعیلیہ کی مختصر تاریخ

از جناب ملک ابوالمحمود ہدایت اللہ صاحب سوہدروی (سندھ)

محترم ملک صاحب نے یہ تعارفی مقالہ شیعوں کی ایک انتہا پسند شاخ اسماعیلی فرقے کے امام سر آغاخاں صاحب کے انتقال کے دنوں میں تحریر فرمایا تھا مگر افسوس ہے "رحیق" کے قلتِ حجم کے باعث اب تک اس کی اشاعت کی نوبت نہ آسکی،

اسماعیلیوں کی نمایاں تاریخی خصوصیت یہ ہے ــــ جیسا کہ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں پر مخفی نہ ہوگا ــــ کہ چھٹی، ساتویں ہجری کے مسلمانوں پر تاتاریوں اور صلیبی حملوں میں اس فرقے نے بحیثیت فرقہ اسلام و مسلمانوں کے دشمنوں کا ساتھ دیا تھا۔

ــــ عباسی سلطنت کا تختہ الٹنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ہزارہا مسلمانوں اور سینکڑوں علمائے عظام کو تہ تیغ کرنے میں مدد دی۔ علوم اسلامیہ کی لاکھوں کتابوں کی بربادی کا باعث ہوئے۔ اور غازی صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کو شکست دلوانے کی پوری پوری کوشش کی!

جناب سر آغاخاں صاحب کو بھی ہندو پاک کی ایک تاریخی شخصیت کہنا چاہیئے۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ موجودہ دور میں مشرق کے مسلمانوں اور ان کی حکومتوں پر جو سیاسی اور اقتصادی صلیبی حملے ہوئے، اس میں اس اسماعیلی امام نے برطانیہ کی کیسی مخلصانہ اور شاندار خدمات سرانجام دیں۔ انگریز بہادر کو جب بھی مسلمانوں کی طرف سے کوئی سیاسی الجھن پیش آتی، سر آغاخاں صاحب اس کے حل میں مدد دیتے، ویسے ہی جیسے حال ہی میں نہر سویز کے قضیئے میں پاکستان کے اس وقت کے وزیر اعظم سہروردی صاحب نے مسلمان ملک مصر کے مقابلے میں برطانیہ کی پوری پوری مدد فرمائی!

جناب سر آغاخاں صاحب کا ایک بڑا سیاسی کارنامہ یہ ہے کہ ۱۹۰۶ء میں آپ کی وساطت سے

جداگانہ انتخاب کا نخفہ ہمارے ہاں لایا گیا۔ اس مبتدا کی خبر پاکستان کے معرض وجود میں آنے کی صورت میں نکلی چنانچہ موصوف نے قیام پاکستان سے تھوڑے دنوں قبل اگست ۱۹۴۷ء میں جناب مسٹر محمد علی جناح صاحب کی خدمت میں مبارک باد کا جو تار بھیجا تھا اس میں اپنے اس کارنامے کی طرف فخریہ اشارہ کرتے ہوئے کچھ ایسے الفاظ بھی فرمائے تھے کہ "پاکستان حکومت بنو امیہ کے بعد پہلی اسلامی سلطنت ہے"۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حکومت پاکستان نے بھی آپ ہی کے پوتے (سابق شہزادہ علی اور حال) اسماعیلیوں کے موجودہ آغا خاں" کو بین الاقوامی گتھیاں سلجھانے کے لئے نامزد کیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جانشینی کا یہ بھی ایک حصہ تھا۔ جو "حق بحقدار رسید" کے مطابق پاکستان کے کارکنان قضا وقدر نے شہزادہ موصوف کو دیا ہے ———— !

ہر کیف یہ تعارفی مقالہ معلومات آفریں ہے جو امید ہے دلچسپی سے پڑھا جائے گا (رحیق)

ہز رائل ہائی نس آغا خان کی ہمہ گیر شخصیت سے پاک و ہند کے کروڑہا اشخاص واقف ہیں اور وہ ایک با اثر ریفارمر بارسوخ لیڈر اور امیر کبیر مسلمان تھے۔ مگر یہ کہ وہ اسماعیلی شیعہ تھے اور اسماعیلیوں کی شاخ نزاریہ کے امام تھے یا اسماعیلیوں کی تاریخ اور ان کے عقائد کیا ہیں اس سے بہت کم اصحاب واقفیت رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں مختصر طور پر ذیل میں کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

شیعوں کے بارہ امام | شیعہ اثنا عشری جو پاک و ہند میں بکثرت آباد ہیں بارہ اماموں کو تسلیم کرتے ہیں۔ علیؓ۔ حسنؓ۔ حسینؓ۔ زین العابدینؒ۔ باقرؒ، جعفر صادقؒ۔ موسےٰ کاظمؒ۔ علی رضاؒ۔ تقیؒ نقیؒ، حسن عسکریؒ اور امام غائب محمد مہدی آخر الزمان جو کہ ایک ہزار سال سے اصلی قرآن مجید اور عصائے موسوی وغیرہ لئے بغداد کے متصل قصبہ سرمن رائے میں اپنے مکان کے کسی غار میں غائب ہیں۔ اور قرب قیامت ظاہر ہو کر شیعہ مومنین کی اعانت فرمائیں گے۔ نیز اپنی افواج قاہرہ کو کوفہ میں فراہم فرما کر مظلومین پنجتن اور آل پنجتن کا انتقام لیں گے۔ (جلاء العیون حصہ دوم)

اسماعیلیوں کا اختلاف | فرقہ اسماعیلیہ ان بارہ اماموں سے صرف چھ اماموں یعنی امام جعفر صادقؒ تک تو متفق ہے۔ اس کے بعد کے حالات یوں ہیں کہ امام جعفر صادقؒ جو مدینہ میں ربیع الاول ۸۳ھ میں پیدا ہوئے اور جن کی والدہ ماجدہ فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ تھیں آپ کی وفات

۶۵ سال کی عمر میں ۱۴۸ھ میں ہوئی۔ آپ کے سات لڑکے تھے۔ اسماعیل۔ موسےٰ کاظم۔ اسحاق۔ محمد۔ عباس۔ علی اور عبداللہ۔ جن میں سے حسب دستور سابقہ بڑے لڑکے اسماعیل نے ہی مسند امامت پر جانشین ہونا تھا۔ تاہم "امام" جعفر صادق احتیاطاً ان کے متعلق وصیت فرما چکے تھے کہ ان کے بعد وہی امام برحق ہوں گے۔ لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ تقدیر کا لکھا کسی سے نہیں ٹلتا۔ کرنا خدا کا یوں ہُوا کہ حضرت اسماعیل چند اولاد چھوڑ کر جناب جعفر صادق کی زندگی میں ہی انتقال فرما گئے۔ اس لئے امامت حضرت اسماعیل کی بجائے حضرت موسےٰ کاظم ان کے چھوٹے بھائی کی طرف منتقل ہو گئی۔ لیکن اسماعیلی اس کو تسلیم نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق اللہ تعالےٰ کے ارشاد کے بموجب اپنی زندگی میں امامت کی مسند پر جناب اسماعیل کا تقرر فرما چکے تھے۔ اب اگر اسماعیل انتقال فرما گئے "تو امامت ان کے لڑکے محمد بن اسماعیل کی طرف منتقل ہونی چاہیئے تھی۔ نہ کہ موسےٰ کاظم کی طرف چنانچہ فرقہ اسماعیلیہ بجائے موسےٰ کاظم کے اسمٰعیل کے بیٹے محمد کو امام تسلیم کرتا ہے۔ اور اس امر کا قائل ہے کہ "امامت" اسماعیل کی اولاد میں قیامت تک رہے گی پاک و ہند کے شیعہ بوہروں اور آغا خانیوں کا یہی عقیدہ ہے۔ وہ موسےٰ کاظم سے "امام غائب" تک چھ اماموں کو تسلیم نہیں کرتے۔

تحریک فری میسنری | یعنی فراموشن لوگوں کی سوسائٹی کو بعض لوگ ایک نئی مجلس سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ سب سے اوّل اس قسم کی مجلس مسلمانوں کے فرقہ اسماعیلیہ نے قائم کی تھی۔ بعد کو اس کی سرپرستی خلفائے مصر یعنی فاطمیین نے کی۔ آغاز تحریک میں "امام" موسےٰ کاظم کی بجائے "امام" محمد بن اسماعیل کو امام تسلیم کرانے کے لئے اسماعیلیوں کو بڑا محتاط رہنا پڑتا تھا۔ حکومت وقت یعنی خلفائے عباسیہ تو سرے سے ہر قسم کی امامت کو بغاوت کے مترادف سمجھتے تھے۔ کیونکہ بنی امیہؓ کے زمانہ میں بنی ہاشم یعنی بنی فاطمہ اور بنی عباس مل کر اسی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے یہی کھیل کھیل کر بنی امیہ کو موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔ کہ خفیہ ہی خفیہ پہلے تو بنی فاطمہ پر بنی امیہؓ کے مظالم کی داستانیں سناتے۔ جب مسلمانوں کے دل پسیجتے تو پھر ان کے سامنے خلافت کے مستحق بنی فاطمہ کو بتلا کر بغاوت اور سرکشی کا سبق دیتے۔ کئی سال کے بعد جب تمام ممالک اسلامیہ میں بغاوت کی سرنگیں بچھا دی گئیں تو توڑا دے کر حکومت اموی کی چٹان بھک

سے اڑا دی گئی۔ مگر افسوس کہ بنی فاطمہ جب اس خواب گراں سے بیدار ہوئے تو تختِ خلافت پر بنی فاطمہ کی بجائے بنی عباس بیٹھے نظر آئے۔ وہ بنی عباس جو اموی مراعات کی بجائے باقی سات اماموں پر ان مظالم کے روادار تھے۔ جن کی داستانوں سے شیعی کتب بھری پڑی ہیں۔ خلفائے عباسیہ جانتے تھے بنی فاطمہ کا نام لے کر جس کردار سے ہم نے اموی حکومت کا تختہ الٹا ہے اب تو بنی فاطمہ خود مدعی ہو کر وہی کھیل بڑی آسانی سے کھیل سکتے ہیں۔ اس لئے بنی فاطمہ کے ایک ایک فرد کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ تاہم بنی فاطمہ کے نقیب تمام ممالک اسلامیہ میں خفیہ طور پر پھیلے ہوئے تھے مگر اس تفرقہ پسندی کا کیا علاج کہ ہر نقیب اپنے ہی امام کی (الگ الگ) دعوت دیتا تھا۔ جب تک متعدد مدعیان امامت کا ایک امام پر اتفاق نہ ہو جاتا کامیابی ناممکن تھی نتیجہ یہ نکلتا کہ جس امام کی طرف سے حکومت کے جاسوس کچھ اطلاع دیتے یا بغاوت کے آثار نظر آتے یا سر بھی اٹھاتا تو بغاوت اور امام دونوں کو بڑی آسانی سے کچل دیا جاتا۔

فراموش خانہ | یہ حالات تھے جن میں اسماعیلیہ کو دارالسلطنت سے بہت دور ٹیونس کے شہر قیروان میں ایک بہت بڑا لاج (فراموش خانہ) قائم کرنا پڑا جو کہ کچھ عرصہ بعد منتقل ہو کر مصر کے دارالخلافہ قاہرہ میں آگیا۔ اس لاج کے پریذیڈنٹ کے نقیب "داعی الدعاۃ" کہلاتے تھے جو بڑے اختیارات رکھتے تھے۔ ہر ہفتہ میں اس کے دو اجلاس ہوتے تھے جن میں صرف وہی اشخاص شامل ہو سکتے تھے جو اپنے مراتب کے لحاظ سے اس کے اہل سمجھے جاتے تھے۔ علامہ مقریزی کے بیان کے مطابق اس لاج کی سات کلاسیں تھیں جو کہ قاہرہ میں آنے کے بعد نو ہو گئیں۔ ہر کلاس پاس کرنے کے بعد نہایت تحقیق و تفتیش سے تسلی ہو جانے پر پھر اوپر کی کلاس میں داخل کیا جاتا ورنہ کچھ بھی شک ہونے پر فوراً نکال دیا جاتا۔ اور اگر مخدوش معلوم ہوتا تو ٹھکانے لگا دیا جاتا۔

کلاس اول۔ علامہ مقریزی کے بیان کے مطابق کلاس اول میں قرآنی احکام کی مشکلات اور شکوک کا اظہار اس طرح کیا جاتا کہ طالب علم کو ان کے حل کرنے کا شوق پیدا ہوتا۔ لیکن بجائے ان مشکلات کے حل کرنے کے اسماعیلی عقائد کی آسانیاں اور اوصاف بیان کئے جاتے اور اس سے عہد لیا جاتا کہ اپنے معلم یا داعی کی ہر بات بلاعذر (چون و چرا اور بحث وغیرہ کے) تسلیم کرے گا۔

کلاس دوم ۔ مسئلہ امامت کا حل اسماعیلی طریقہ سے ۔

کلاس سوم ۔ مذہب اسماعیلیہ کے خاص خاص عقائد اور اس امر کی تعلیم کہ اماموں کا شمار بارہ نہیں بلکہ سات ہے اور اسماعیل بن جعفر سب سے بڑے امام ہیں ۔

کلاس چہارم ۔ میں ایک اہم راز بتایا جاتا کہ ابتدائے آفرینش سے اب تک صرف سات ناموس الٰہی یعنی صاحبِ شریعت پیغمبر ظاہر ہوئے ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک نے ما سبق شریعت میں ضروری ترامیم کیں ۔ اور ہر ایک کے ساتھ ایک خاموش پیغمبر ہوتا جو کہ ان کی شریعت کی تائید کر کے اس کو مضبوط کرتا تھا ۔ وہ سات ناموس یہ ہیں ۔ آدم ، نوح ۔ ابراہیم ۔ موسےٰ مسیح ۔ محمد (صلی اللہ علیہم اجمعین) اور اسماعیل بن جعفر صادق ۔ ان کے ساتھ خاموش پیغمبر یہ تھے شیث، سام ۔ اسماعیل ۔ ہارون ۔ پطرس ۔ علیؓ بن ابی طالب ۔ اور محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق ۔

کلاس پنجم ۔ ہر خاموش پیغمبر نے اپنے بارہ داعی مقرر کئے تھے ۔

کلاس ششم ۔ شرع فلسفہ پر حاکم نہیں بلکہ فلسفہ شرع پر حاکم ہے ۔

کلاس ہفتم ۔ علم جفر کی تعلیم ۔

کلاس ہشتم ۔ حرکات و افعال انسانی کا باہمی اتحاد ۔

کلاس نہم ۔ یقین کسی چیز کا نہیں کرنا چاہیئے اور جرأت ہر کام اور ہر امر کے لئے ضروری ہے۔[1]

---

[1] میرے ناقص خیال میں علامہ مقریزی سے یہاں لغزش ہوئی ہے کہ انہوں نے اسماعیلیہ کے فرقے نزاریہ (آغاخانی) کے عقائد کو فرقہ مستعلویہ (مصری اور بوہری شیعہ) کی طرف بھی منسوب کر دیا ہے ۔ فرقہ نزاریہ کا بانی حسن بن صباح ایک مشہور فلسفی ملحد گذرا ہے ۔ اس کے فرامش خانوں میں ہونے والے فدائیوں کو داعی الدعاۃ اسی نصاب کی تعلیم دیا کرتے تھے ۔ مگر مصری مستعلویہ یا قبل و بعد کے خلفائے فاطمیین شیعی شریعت جعفریہ نماز ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ وغیرہ پر عمل و ایمان رکھتے تھے نماز جمعہ میں خطابت اور امامت انہی کے ذمہ ہوتی تھی اور قاضی قرآن و حدیث کو ملحوظ رکھتے ہوئے شیعہ سنی عقائد کے مطابق فیصلے دیا کرتے تھے ۔ ان کے فرامش خانوں میں سی آئی ڈی ۔ امامت اور خلافت فاطمیین کی تعلیم اور حکومت عباسیہ اور حکومت امویہ کے خلاف پراپیگنڈا ہوا کرتا تھا ۔ اگر انکے خیالات ملحدانہ ہوتے تو شام سے مراکش تک ان کی کروڑہا (باقی اگلے صفحہ پر)

خلافت اسماعیلیہ "امام محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق اور ان کے بعد جو امام ہوئے۔ وہ امامت و خلافت اسماعیلیہ کی تعلیم خفیہ نہایت رازدارانہ طور پر اپنے مرید کو دیتے رہے حتیٰ کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سنی رعایا فوراً بھڑک اٹھتی اور شرق و غرب میں دو زبردست حکومتیں بغداد میں عباسیہ اور اندلس میں اموبہ جو ہر وقت موقع کی انتظار میں رہتی تھیں۔ بغاوتوں سے فائدہ اٹھاتی رہیں۔ یہ جملہ حالات آگے مضمون ہذا میں عرض کئے جاتے ہیں۔ سنٹرل انڈیا میں ٹھیکہ جنگلات لکڑی کوئلہ میں دس سال تک چونکہ بیرا واسطہ بوہروں اور آغا خانیوں سے پڑتا رہا ہے۔ اس لئے ان دونوں فرقوں کے عقائد کا کچھ علم رکھتا ہوں۔ بلکہ میں اپنے ذاتی علم کی بنا پر یہ کہنے کو تیار ہوں کہ مستعلویہ بوہروں کے عقائد نہ صرف شیعہ اثنا عشریہ بلکہ تعزیہ پرست سنیوں سے بھی بہتر ہیں۔ کہ وہ تبرا اور تعزیہ پرستی دونوں سے بیزار ہیں۔

باقی رہے آغا خانی تو ہندوستان میں زیادہ تعداد ان ہندوؤں کی ہے جو ہندو رہتے ہوئے آغا خاں کے مخلص مرید ہوتے ہیں۔ اور سر آغا خان کو رام یا خدا کا اوتار سمجھتے ہیں۔ اور ان کے لئے اتنا کافی ہے۔ بمبئی کے تاجروں یا ہندوستان کے دیگر آغا خانیوں کے ناموں میں باپ یا بیٹے ایک کا نام ضرور ہندوانہ ہوتا ہے۔ بعض اس وقت ترکی ٹوپی بھی پہنتے تھے۔ مگر نماز روزہ سے محض نا آشنا۔ اگر کسی کو اپنے دھرم یا دین سے کچھ مس ہے تو وہ صبح کو منہ ہاتھ دھو کر خدا کے اوتاروں یعنی اپنے آئمہ کے نام شروع سے آخر تک پڑھ دینا کافی سمجھتا ہے۔ بمبئی کے تاجروں سے اب زیادہ تعداد کراچی پہنچ چکی ہے چونکہ یہ بھی برائے نام ایک اسلامی فرقہ تھا۔ اور بڑا متمول تھا۔ اس لئے مہاسبھائی غنڈوں کی ان پر کڑی نظر تھی۔ جس سے ان بے چاروں کو بھی بمبئی سے بھاگنا پڑا۔ ہماری حکومت کو خود ہی اسلام سے کوئی مس نہیں ہے۔ اس کو تبلیغ اسلام جیسے ایک بے ہودہ کام سے کیا واسطہ، ہاں کراچی کے علمائے اسلام کو اگر اپنے جھگڑوں سے فرصت اور ایثار کی طاقت ہو اور وہ ادھر توجہ فرما کر نرمی اور خوش اسلوبی سے ان تاجروں میں تبلیغ کریں تو وہ آغا خان کی مریدی یعنی ٹیکس کی ادائیگی کے ساتھ ممکن ہے نماز روزہ کے پابند ہو جائیں۔ بشرطیکہ مسٹر پرویز وہاں بھی دخل در معقولات بن کر ان کو بھی نماز روزہ کا مطلب نظام ربوبیت نہ بتلانے لگیں۔ تعجب ہے کہ اسی اسماعیلیہ کی دوسری شاخ یعنی بوہرے نہ صرف نماز روزے، نوافل، تلاوت قرآن مجید کے سختی سے پابند ہیں بلکہ میں نے کسی بوہرہ کو داڑھی منڈھا نہیں دیکھا۔ البتہ بیبیں بالکل منڈھی ہوئیں۔ اللہ تعالےٰ ہم سنیوں کو بھی توفیق دے کہ اسی سنت اور نماز روزہ کے ان کی طرح پابند ہو جائیں (ابو المحمود سوہدروی)

سنہ ۲۶۰ھ میں امام محمد مذکور کی نسل سے ایک لڑکا عبیداللہ نامی پیدا ہوا۔ یہ حسین التقی بن احمد الوفی بن عبداللہ الرضی بن محمد بن اسماعیل کا لڑکا تھا۔ اس کی پیدائش کے وقت اس کے چچا محمد بن احمد الوفی مدعی امامت تھے۔ جن کو ان کی ہردلعزیزی کے سبب "امام حبیب" بھی کہتے تھے۔ وہ اچھی سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ حمص کے پاس سلیمیہ میں رہتے تھے۔ یہیں سے اپنے مرید بھرتی اور امامت و خلافت اسماعیلیہ کے پراپیگنڈا کے لئے اپنے داعی ہر طرف روانہ کرتے تھے۔ اس طرح ان کا پروپیگنڈا بہت جلد مصر اور شمالی امریکہ کے سوا یمامہ، یمن، بحرین۔ ایران بلکہ سندھ تک پھیل گیا۔ اس زمانہ میں حبیب کے دو داعی حلوانی اور سفیانی (ابو یوسف نجار) تھے جنہوں نے بلادِ افریقہ میں بلاد الجزائر اور قبائل کتامہ میں اسماعیلیت پھیلادی تھی۔ یمن سنہ ۲۶۸ھ میں ابوالقاسم حسین بن فرح کوفی کو داعی بنا کر روانہ کیا جس نے ایک جماعت سنہ ۲۷۰ھ میں یمن کے اکثر علاقوں کو مسخر کرکے صنعا پر قابض ہو گیا۔ پھر حبیب نے ابو عبداللہ الحسین بن محمد جو تاریخ میں ابو عبداللہ صوفی شیعی کے نام سے مشہور ہے ابوالقاسم مذکور کے پاس روانہ کیا اور وہ وہاں سے جمعیت لے کر کتامہ کے شہر انکجان میں داخل ہوا۔ اور خلافت اسماعیلیہ کی دعوت دینے لگا یہاں تک کہ بہت سے قبائل اس کے ساتھ ہو گئے۔ ٹیونس کے گورنر عباسیہ ابراہیم بن احمد الاغلبی نے اس بغاوت کو فرو کرنے میں چند لڑائیاں لڑیں مگر شکست کھائی۔ ابو عبداللہ نے تمام بلاد میں منادی کرادی کہ مہدی کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے لوگ منتظر رہیں۔ یہ ابوالعباس احمد معتمد علی اللہ کی خلافت سنہ ۲۵۶ھ – ۲۷۹ھ کا زمانہ تھا۔ یہ کمزور متلون مزاج اور عیش پسند خلیفہ تھا۔ اس کے زمانہ خلافت میں سجستان، خراسان۔ طبرستان، ماوراءالنہر۔ سواد اور اہواز وغیرہ۔ بہت سے علاقے خلافتِ عباسیہ سے نکل گئے تھے۔ امام حبیب مذکور نے انتقال کے وقت اپنے بھتیجے عبداللہ کو اپنا جانشین امام بنا کر مہدی کا خطاب دیا جس کے متعلق ابو عبداللہ صوفی نے شمالی افریقہ کے بلاد میں پہلے ہی منادی کرادی تھی کہ عنقریب مہدی کا ظہور ہونے والا ہے[1]۔ ابراہیم کی شکست کے بعد ہی

[1] سنہ ۱۹۳۸ء میں غالباً بارہ اقساط میں شیعوں کی امامت اور خلافت پر جو خاکسار کا مضمون اخبار اہل حدیث امرتسر میں شائع ہوا تھا اس میں بحوالہ کافی وغیرہ مفصل عرض کیا گیا تھا کہ شیعوں کے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالٰی کے وعدہ کے بموجب مہدی کا ظہور خلافت یزیدی ہی میں ہو جانا تھا۔ مگر شیعانِ کوفہ کی بدعہدی

صوفی مذکور نے امام عبداللہ کو پیغام بھیجا کہ جلدی تشریف لایئے۔ چنانچہ امام عبیداللہ اپنے بیٹے محمد نزار اور چند مخصوصین کے ساتھ صوفی کے پاس پہنچ گئے اور چند لڑائیوں کے بعد ۲۹۷ھ / ۹۰۹ء میں ٹیونس کے شہر قیروان میں لاکھوں آدمیوں نے بیعت کر کے ابو محمد عبیداللہ المہدی باللہ کو شمالی افریقہ کے بہت سے علاقہ کا خلیفہ تسلیم کر لیا۔

بنی فاطمہ کا عروج عبیداللہ کے بعد ۱۳ جانشینوں نے دو سو ستر سال تک مصر میں خلافت کی انتہائے عروج کے زمانہ میں ان کی سلطنت بحرِ ظلمات سے صحرائے شام تک اور بحیرۂ روم سے صحرائے اعظم افریقہ تک یعنی مراکش، مصر، بلاد الجزائر۔ ٹیونس، طرابلس۔ برقہ۔ شام، حجاز، یمن جزیرہ صقلیہ اور بحیرۂ روم کے بعض دیگر جزائر تک پھیل گئی تھی۔ بلکہ ایک سال تو بغداد اور موصل میں بھی انہی کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اوّل ٹیونس میں قیروان کے پاس مہدیہ ان کا دارالحکومت تھا پھر جب ۳۵۸ھ / ۹۶۹ء میں انہوں نے مصر فتح کر کے قاہرہ آباد کیا تو دارالخلافہ بھی قاہرہ میں منتقل ہو گیا۔ اور اس وقت سے اب تک قاہرہ ہی دارالخلافہ مصر کا چلا آتا ہے۔

ان بادشاہوں کو علوم و فنون کا بہت شوق تھا جو آج تک بھی ان کے آئمہ میں پایا جاتا ہے۔ تیسرے خلیفہ اسماعیل منصور باللہ نے چوتھی صدی ہجری کے نصف میں اسی قاہرہ میں جامع ازہر قائم کیا۔ جو اب تک سب مسلمانانِ عالم کی واحد مسلم یونیورسٹی ہے۔ جنوبی اٹلی میں سلرنو کا مدرسہ بہت مشہور تھا۔ پلرمو کا طبی دارالعلوم بغداد اور قرطبہ کے دارالعلوموں کی ہمسری کرتا تھا۔ منطقی، ریاضی دان، فقیہ، طبیب وغیرہ دارالعلوموں کے پروفیسر ہر علم کے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کے باعث یہ وعدہ پورا نہ ہو سکا۔ اور یہ وعدہ اسماعیل بن جعفر صادق کی مہدویت کی طرف منتقل ہو گیا۔ مگر اسماعیل امام جعفر صادق کی زندگی میں ہی امامت سے بھی قبل انتقال فرما گئے تو ظہور مہدی پھر ملتوی ہو گیا۔ اب جب کہ خلافتِ عباسیہ کے مظالم کے باعث آئمہ فاطمین اور شیعانِ فاطمین سخت مصائب میں مبتلا تھے تو شیعوں کے دونوں فرقے اثنا عشری اور اسماعیلیہ ظہور مہدی کے ہر وقت منتظر تھے۔ صوفی شیعی مذکور کو چونکہ مہدویت عبیداللہ پر چسپاں کرنی تھی۔ اس لئے اس نے ظہور مہدی کا وقت قریب آنے کا اعلان کر دیا۔ دوسرے فرقہ اثنا عشری نے یہی مہدویت چند سال قبل سنہ ۲۶۰ھ میں امام محمد بن حسن عسکری (امام غائب) پر چسپاں کر دی تھی۔ (ابو المحمود)

جدا جدا اپنے اپنے علم کا الگ الگ امتیازی لباس پہن کر آتے تھے جو دیکھتے ہی مدرس کی تدریس کی نوعیت بھی معلوم ہو جاتی تھی۔ کالجوں کے پروفیسروں کی صرف تنخواہیں اڑھائی لاکھ دینار سالانہ تک پہنچ جاتی تھیں۔ مختلف مقامات پر رصدگاہیں تعمیر کی گئیں۔ علم ہیئت ادب۔ سائنس کے بڑے بڑے ماہرین بغداد اور قرطبہ سے منگوائے گئے۔ تاہم انہوں نے اس پولیٹیکل فائدہ کو جو غیر قوموں اور غربا کو اپنے اپنے فرقہ کا مرید بنا لینے سے مرتب ہو جاتا ہے نظر انداز نہیں کیا

ہفتہ میں دو دفعہ دو شنبہ اور چہار شنبہ دار المجالس کا سب سے اعلیٰ افسر جو داعی الدعاۃ کہلاتا تھا۔ اور جو عموماً بادشاہ کا وزیر یا قاضی القضاۃ ہوتا تھا جلسہ منعقد کرتا تھا۔ اس جلسہ میں مرد عورت دونوں سفید لباس پہنے ہوئے شریک ہوتے۔ عورتیں مردوں سے جدا بیٹھتی تھیں تعلیمی کارروائی شروع کرنے سے پیشتر داعی الدعاۃ، خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا لیکچر سناتا منظوری ہونے پر مجالس الحکمۃ مندرجہ بالا میں سنایا جاتا۔

اسماعیلیوں کے کالج سر امیر علی نے "بنجامن آف ٹڈیلہ" سے نقل کیا ہے کہ فاطمیوں کے عہد میں اسکندریہ صرف فلسفہ کی تعلیم کے واسطے بیس سے زیادہ کالج موجود تھے۔ علیٰ ہذا قاہرہ، قیروان، فاس اور شمالی افریقہ کے شہروں میں بڑے بڑے عالیشان بے شمار کالج تھے۔ انگریزی یونیورسٹیوں میں جو گون گتہ تحومیٹوں کو اب بھی دیا جاتا ہے اس کی ابتدا فاطمین نے ہی کی تھی۔ ان کی کاٹ اب تک وہی ہے جو اس وقت کالج کے پاس شدہ طلبا کو دیئے جاتے تھے۔

فاطمیین کے ہم اخلفاء کے مختصر حالات کے لئے بھی چونکہ ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے اس لئے میں یہاں صرف سنوات پیدائش، جلوس وفات وغیرہ کے ایک نقشہ پر ہی اکتفا کرتا ہوں جو اگلے صفحے پہ درج ہے۔